۳۹

دشمن کی گالیوں کا جواب شرافت اور احسان سے دو نیز خدمتِ دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرو

(فرمودہ ۲ ؍دسمبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''میرے پاس گزشتہ ایام میں ان اشتہارات کے خلاف نفرت کے اظہار کے خطوط آئے ہیں جو کچھ عرصہ ہؤا مصری صاحب کے ساتھ تعلق یا ہمدردی رکھنے والوں اور احرار کے ساتھ تعلق یا ہمدردی رکھنے والوں کی طرف سے اس علاقہ میں اور باہر پنجاب میں بھی تقسیم کئے گئے ہیں۔ میں اُس غیرت کی قدر کرتا ہوں جس کا اظہار ان دوستوں یا جماعتوں نے کیا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں ان اشتہارات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک فائدہ مخفی رکھا ہؤا ہے۔ شروع شروع میں جب مصری صاحب نے خط وکتابت شروع کی ہے تو اُنہوں نے بہت ہی غصہ کا اظہار اس امر پر کیا تھا کہ مجھے کہا جاتا ہے تم گالیاں دیتے ہو حالانکہ میں تو کوئی گالی نہیں دیتا اور ہماری جماعت کے کئی دوست جو ایسے امور میں مذبذب ہو جانے کے عادی ہیں وہ بھی کہنے لگ گئے تھے کہ آخر وہ کیا گالیاں ہیں جو وہ دیتے ہیں اور جب کہ وہ گالیاں دینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ کیونکر تسلیم کیا جائے کہ واقع میں اُنہوں نے کوئی گالی دی ہے۔ مگر اب ہائیکورٹ کے ایک فیصلہ میں وہ الفاظ نقل ہو گئے ہیں جو میرے متعلق انہوں نے عدالت میں کہے اور اب

ہر شریف انسان ان الفاظ کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ آیا وہ گالیاں دیتے ہیں یا نہیں اور آیا وہ بات جو میں نے کہی تھی وہ صحیح تھی یا نہیں۔ بھلا گالیوں سے کسی کا کیا بگڑتا ہے۔ان کی گالیوں سے ہمارا تو کوئی نقصان نہیں چاہے وہ گالیاں کوٹیشن (Quotation) کے طور پر ہائی کورٹ کے کسی فیصلہ میں ہی کیوں نہ آ گئی ہوں۔ ہائیکورٹ کے فیصلہ میں کسی کی گالیاں نقل ہو جانا گالیاں دینے والے کی حقیقت واضح کرتا ہے۔اس کی بات کو تقویت نہیں دے دیتا۔اوّل تو مذہبی معاملات میں حکومتوں یا ہائیکورٹوں کے فیصلوں کا کوئی دخل ہی نہیں ہوتا۔لیکن جو اشتہار شائع کیا گیا ہے اور اس میں جو فیصلہ درج کیا گیا ہے (گو سارا فیصلہ میں نے ابھی نہیں پڑھا) اسی سے ظاہر ہے کہ اس میں ان کی کوئی کامیابی نہیں کیونکہ ہائیکورٹ کا جج اُس فیصلہ میں یہ لکھتا ہے کہ چونکہ انہوں نے ایسے ایسے فقرات استعمال کئے ہیں اور ان سے اشتعال اور نقضِ امن کا اندیشہ ہے اس لئے مقامی حکام نے مصری صاحب کے خلاف جو کارروائی حفظِ امن کی ضمانت کے متعلق کی تھی وہ مناسب تھی اور ان کی درخواست مسترد کی جاتی ہے۔جج یہ نہیں کہتا کہ میں نے تحقیقات کی ہے اور تحقیق کے بعد میرا یہ فیصلہ ہے کہ واقع میں وہ الزامات درست ہیں جو عائد کئے گئے ہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ چونکہ انہوں نے ایسے الفاظ کہے ہیں اور یہ سخت اشتعال انگیز ہیں۔اس لئے میں ان کی ضمانت لینے کو درست قرار دیتا ہوں اس پر خوش ہوتے پھرنا اور کہنا کہ دیکھو ہائی کورٹ کے ایک جج کے فیصلہ میں یہ بات آ گئی ہے یہ تو انتہا درجہ کی حماقت اور نادانی ہے۔جج تو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ انہوں نے واقع میں اشتعال انگیزی سے کام لیا ہے۔ یہ تو نہیں کہتا کہ اس نے ان الزامات کی تحقیق کی ہے اور انہیں درست پایا ہے۔وہ صرف یہ کہتا ہے کہ انہوں نے یہ یہ گالیاں دی ہیں اور ان وجوہ سے میرے نزدیک انہوں نے اشتعال انگیزی سے کام لیا ہے۔

یہ علیحدہ سوال ہے کہ ایسے فیصلوں کی اشاعت ملک کا امن قائم کرنے میں مُمِد ہے یا اس کے مخالف۔ یہ سوال گورنمنٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ان لوگوں سے محض اس حصہ کا تعلق ہے جس حصہ میں انہوں نے ہم کو گالیاں دیں اور جج نے ان کی گالیوں کو ان پر حجت تمام کرنے کے لئے اور ان کی اشتعال انگیزی ثابت کرنے کے لئے اپنے فیصلہ میں نقل کر دیا اور میں سمجھتا ہوں اس فیصلہ سے جماعت پر یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ نہ صرف گالیاں دیتے ہیں بلکہ ایسی گندی گالیاں

دیتے ہیں جو دوسری جگہوں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں دی جاسکتیں جو اس جگہ کی اکثریت کے نزدیک واجب الاحترام ہوں بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ فقرات جو انہوں نے ہمارے متعلق استعمال کئے ہیں وہ اس قسم کی گالیوں پر مشتمل ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اقوام کے لوگ بھی ایسی گندی گالیاں نہیں دیا کرتے۔ پس یہ گالیاں گو رنج کا موجب بھی ہوں مگر ایک لحاظ سے یہ ہماری فتح کی علامت بھی ہیں کیونکہ جو لوگ اخلاق کے ذریعہ فتح حاصل کیا کرتے ہیں ان کے لئے یہ کامیابی اور خوشی کی بات ہے کہ دشمن اب ننگا ہوگیا ہے اور اس نے اپنے اندرونی گند کو بالکل ظاہر کر کے رکھ دیا ہے اور پہلے جو بات مخفی تھی وہ اب سب کو معلوم ہوگئی ہے اور ہر ایک کو نظر آ گیا ہے کہ ان کے اصل خیالات کیا ہیں۔ پھر جن حکام نے ایسا جلسہ کروا کے اس قسم کے اشتہار بانٹنے میں مدد کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں وہ بھی ایک حد تک ننگے ہوگئے ہیں اور اب گورنمنٹ کا کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ اس قسم کے الفاظ ہم دوسری جماعتوں کے لیڈروں اور اماموں کی نسبت استعمال نہ کریں۔ اگر عیسائیوں کے یسوع کی نسبت (جو اُن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بالکل مختلف وجود ہے جن کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے اور جو ہمارے نزدیک واجب الاحترام ہستی ہیں) ہماری طرف سے وہی الفاظ استعمال کئے گئے جو ہمارا دشمن ہمارے متعلق استعمال کرتا ہے تو یقیناً گورنمنٹ کا کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ کہے تم اشتعال انگیزی سے کام لیتے ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے قانون اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ بات جائز ہے۔ باقی میں نے بتایا ہے کہ ہائیکورٹ کے فیصلہ میں کسی کوٹیشن کا آ جانا اسے کوئی اہمیت نہیں دے دیتا۔ آخر جج نے جب الزام ثابت کرنا تھا تو اس کے لئے سوائے اس کے اور کیا صورت تھی کہ وہ ان کی کچھ گالیاں اپنے فیصلہ میں نقل کر دیتا اور کہہ دیتا کہ چونکہ یہ الفاظ اشتعال انگیز ہیں اس لئے تم مجرم ہو اور تم سے جو ضمانت طلب کی گئی تھی وہ بالکل درست ہے اس کوٹیشن پر خوش ہو جانا تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی جج اپنے فیصلہ میں لکھے کہ چونکہ فلاں نے قتل کیا ہے اس لئے اسے پھانسی کی سزا دی جاتی ہے۔ اب کوئی اور شخص اس فیصلہ کو لے لے اور کہے چونکہ جج نے اپنے فیصلہ میں قتل کا ذکر کر دیا ہے اس لئے معلوم ہؤا کہ قتل جائز ہے۔ جج تو ان کے فقرات کو معیوب قرار دیتا ہے اور ان کے کچھ الفاظ اپنے فیصلہ میں نقل کر کے بتاتا ہے کہ

دیکھو انہوں نے یہ یہ الفاظ کہے ہیں اور کہتا ہے میری رائے میں یہ امر قابلِ اعتراض اور حفظِ امن کی ضمانت طلبی کا متقاضی ہے۔ مگر وہ اس سے نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ ان کے الزامات کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے میں نے بتایا ہے کہ کوئی جج اپنے فیصلہ میں قتل کا ذکر کرے تو اس سے نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ ان کے الزامات کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے میں نے بتایا ہے کہ کوئی جج اپنے فیصلہ میں قتل کا ذکر کرے تو اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اب قتل جائز ہوگیا۔ کوئی عقل کا اندھا ہی ایسا نتیجہ نکالے تو نکالے کوئی عقلمند ایسا نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ بہرحال میرے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اس ذریعہ سے ہمارے لئے دو راستے کھولے ہیں۔ ایک تو ہمارے لئے یہ راستہ کھولا ہے کہ ہمیں لوگوں کے سامنے یہ بات ثابت کرنے کا موقع حاصل ہوگیا ہے کہ ہم جو کہتے تھے یہ ہم پر ظالمانہ الزام لگاتے ہیں ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور ہمیں بُرا بھلا کہتے ہیں یہ بالکل درست تھا اور اس کا ثبوت ان کا یہ تازہ اشتہار ہے۔ چنانچہ یہ اشتہار کسی شریف ہندو، کسی شریف عیسائی، کسی شریف سکھ اور کسی شریف مسلمان کے سامنے رکھ دو اور کہو کہ یہ اشتہار ہے اسے پڑھ کر آپ بتائیں کہ ظالم یہ ہیں یا ہم، تو ہر شریف انسان (اور شریف انسان کی رائے ہی وقعت رکھتی ہے) یہی کہے گا کہ تم مظلوم ہو اور یہ ظالم ہیں۔ اور جو غیر شریف ہیں ان کی رائے کی کوئی قدر ہی نہیں ہوتی وہ ہمیشہ گند اُچھالتے رہتے ہیں اور گند میں ہی ان کو لذت آتی ہے۔

تو خدا تعالیٰ نے ہمارے دشمن کے مقابلہ میں خود دشمن کے منہ سے ہی ہماری مظلومیت کو ثابت کرا دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے گورنمنٹ پر حُجت قائم کرنے کے لئے بھی ایک راستہ کھول دیا ہے۔ اب اگر ہم یہی الفاظ دوسری قوموں کے لیڈروں کے متعلق استعمال کریں اور ہماری جماعت کے کسی فرد پر گورنمنٹ ان الفاظ کے استعمال کی وجہ سے مقدمہ چلا دے تو اس کا حق ہوگا کہ وہ اپنے مقدمہ کے دوران میں یہی اشتہار عدالت میں پیش کر دے اور کہے صاحب گورنمنٹ نے ان الفاظ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور باوجود اس کے کہ گورنمنٹ نے یہ قانون مقرر کیا ہوا تھا کہ فلاں شخص کو قادیان کی حدود کے دو میل کے اندر اندر جلسہ کرنے یا تقریر کرنے کی اجازت نہیں۔ پھر بھی اُس سے قادیان کی حدود کے دو میل کے اندر جلسہ کرایا گیا

اوراس موقع پر یہ اشتہار لوگوں میں بانٹا گیا۔ اب بتایئے جب گورنمنٹ ان الفاظ کو قدر کی نگاہ سے دیکھ چکی ہے تو اگر میں نے ایسے ہی بعض الفاظ کسی اور قوم کے لیڈر کی نسبت استعمال کر لئے تو اس میں حرج کونسا ہو گیا۔ تو اب ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے گورنمنٹ پر حجت تمام کرنے کے لئے پہلے سے زیادہ راستہ کھول دیا ہے اور دو باتوں میں سے ایک بات گورنمنٹ کو ضرور ماننی پڑے گی۔ یا تو اُسے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ الفاظ بہت اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ ان سے کوئی فساد نہیں ہوتا اور نہ کسی کا دل دُکھتا ہے لیکن اگر کسی غیر مسلم قوم کے بزرگ کو مسلمان کہہ دیا جائے تو اس سے اس قوم کا دل بہت دُکھتا ہے یا اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ احمدیوں کے لئے اور قانون چلانا چاہتی ہے اور دوسری اقوام کے لئے اور۔ گویا گورنمنٹ اگر خاموش رہے گی جیسا کہ وہ اب تک خاموش ہے تو وہ اپنی خاموشی سے یہ اعلان کر دے گی کہ کسی کو مسلمان کہنا تو گالی ہے لیکن وہ الفاظ استعمال کرنے جو اس اشتہار میں استعمال کئے گئے ہیں گالی نہیں۔ پس ہمیں گورنمنٹ پر بھی حجت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک دلیل دے دی ہے اور اب دنیا کی تمام قوموں کے سامنے تم یہ معاملہ رکھ سکتے ہو۔ ایک طرف وہ الفاظ لکھ دو جو اس اشتہار میں ہمارے متعلق لکھے گئے ہیں اور دوسری طرف باوا نانک صاحب کے متعلق مسلمان کا لفظ لکھ دو اور اس کے نیچے تحریر کر دو کہ گورنمنٹ پنجاب کا یہ فیصلہ ہے کہ ان الفاظ کا استعمال تو گالی نہیں مگر مسلمان کہنا گالی ہے۔ پھر خود بخود دیکھ لو گے کہ دنیا کا عقلمند اور شریف طبقہ تمہاری تائید کرتا ہے یا گورنمنٹ کی، تو اگر گورنمنٹ نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہ کی تو ہمارے ہاتھ میں وہ اپنے خلاف ایک اور ہتھیار دے گی۔ پس ہمارے لئے اس میں رنج کی کوئی بات نہیں بلکہ گورنمنٹ کے خلاف ایک اور دلیل ہمیں مل جائے گی غرض دونوں اطراف کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں دلیل مہیا کر دی ہے۔ ہمارے مخالف کے خلاف بھی کہ وہ یہ الفاظ استعمال کرتا ہے اور ابھی اپنے آپ کو مظلوم کہتا ہے اور گورنمنٹ کے خلاف بھی کہ یہ الفاظ گورنمنٹ کے نزدیک گالی نہیں۔ مگر غیر مسلم اقوام کے کسی بزرگ کو مسلمان کہنا سخت گالی ہے اور اس سے اس قوم کا دل بُری طرح دُکھ جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ جو لوگ اس قسم کے دشمنوں کا جواب دینا چاہیں گے وہ یہ الفاظ

اس کے بزرگوں کی نسبت استعمال کر دیں گے اور کہیں گے کہ یہ لفظ ہم اس لئے استعمال کر رہے ہیں تا دوسرے کا دل بھی نہ دکھے اور ہماری طرف سے جواب بھی ہو جائے۔ بہرحال تھوڑے ہی دنوں میں گورنمنٹ کے رویہ سے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ آیا یہ اشتہارات اُس کی مرضی اور خوشی سے بانٹے گئے تھے یا اس کے علم کے بغیر بانٹ دیئے گئے تھے اور واقع میں اُس نے انہیں ایسا ہی بُرا سمجھا ہے جیسے ہر شریف آدمی انہیں بُرا سمجھتا ہے۔ دو چار ہفتوں میں یہ بات کھل جائے گی اگر گورنمنٹ نے ان الفاظ کو کوئی اشتعال انگیز بات قرار نہ دیا تو آپ لوگوں کے ہاتھ قانون کے ماتحت ایک نیا حربہ آ جائے گا (اور ہماری تعلیم بھی یہی ہے کہ قانون کے ماتحت چلا جائے) اور اگر گورنمنٹ نے اپنے ان اختیارات کو استعمال کیا جن اختیارات کو وہ سنبھال سنبھال کر رکھتی ہے اور جنہیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تو گورنمنٹ کے متعلق ہمیں جو شکوہ ہے وہ آپ ہی دور ہو جائے گا۔

اِس کے بعد میں اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ حسبِ عادت اس موقع پر مولوی محمد علی صاحب نے بھی اظہارِ خیالات کیا ہے وہ کہتے ہیں اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی جماعت کونسی ہے تو اس کے لئے چند خصوصیات کا دیکھنا ضروری ہے۔ ''سب سے پہلی چیز نیکی اور بلند اخلاقی ہے...... ذرا غور کرو۔ وہ شہرت قادیان کی جو نیکی اور راستبازی سے حاصل ہوئی تھی کیا وہ اب باقی ہے۔ شاید کوئی کہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو بھی لوگ گالیاں دیتے تھے اور بُرا بھلا کہتے تھے۔ شاید کوئی ناپاک الزام بھی لگاتے ہوں لیکن یہ سب دشمن اور مخالف تھے۔ دشمن ایسا کیا ہی کرتے ہیں۔ کیا دشمن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جھوٹ اور ناپاک الزام نہیں لگاتے لیکن رنجدہ بات یہ ہے کہ قادیان میں دشمن نہیں بلکہ مرید کہلانے والے، زندگیاں وقف کرنے والے، جان و مال فدا کرنے والے آج کیا کہتے ہیں۔ میرا دل تو کانپ اُٹھا آج ہائیکورٹ کا ایک فیصلہ پڑھ کر جس میں ایک مرید کی شہادت درج ہے یعنی مولوی شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے ایک عدالتی بیان کو اس فیصلہ میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ بیان کیا ہے؟ وہ اس قدر افسوسناک ہے کہ میں اس کو اپنی زبان سے بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس قدر بُرے واقعات اور حالات قادیان کے اس میں بتائے گئے ہیں کہ دل ان کو

پڑھ کر کانپ اُٹھتا ہے۔اب یہ باتیں ہائیکورٹ کے فیصلہ میں آ گئی ہیں اور ساری دنیا میں پھیل جائیں گی ...... وہ قادیان جو کبھی نیکی ، اعلیٰ اخلاق اور راستبازی کی وجہ سے دنیا میں مشہور تھا آج بُری باتوں کے لئے دنیا میں مشہور ہو رہا ہے''۔

پھر لکھتے ہیں:

''دوسری چیز علم ہے حضرت مسیح موعودؑ نے تمام مذاہب پر اتمامِ حجت کیا، ایک نیا علم الکلام پیدا کیا، اسلام کی حقانیت پر کتابوں اور مضامین کے انبار لگا دیئے، قرآن کو ساری دنیا میں پھیلانے کی بنیاد رکھی، آج ذرا دیکھو کہ قادیان میں کس قدر علم رہ گیا ہے۔کل ہی کی بات ہے دورانِ سفر میں ایک قادیانی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن سے کہا کہ آخر یہ کیا ہو گیا ہے آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن چھپنے ہی میں نہیں آتا۔آج پچیس سال ہو گئے ۔ اُنہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور بات ٹال گئے ...... تیسری بات ہے کام۔سو اب قادیانی جماعت کی تمام طاقت سیاست پر صرف ہو رہی ہے اسلام کی حفاظت اور تبلیغ کا خیال انہیں بھولتا جا رہا ہے''۔[1]

یہ تقریراً اُنہوں نے بھی کی۔ گویا ان کے نزدیک جب کوئی دشمن اعتراض کر دے خصوصاً جو اس جماعت میں شامل ہو تو ضرور تہہ میں کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے اور وہ دوسرے کو تقویٰ وطہارت سے کوسوں دور ثابت کرنے والی ہوتی ہے اور اگر ہائیکورٹ کے فیصلہ میں کوئی گالی نقل ہو جائے تو پھر تو اس کے سچا ہونے میں کوئی شُبہ ہی نہیں رہتا۔ چاہے صرف حوالہ کے طور پر ہی ان گالیوں کو نقل کیا گیا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو کیا کہیں گے مولوی محمد علی صاحب ان کیسز کے متعلق جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دشمنانِ اسلام کی گالیاں نقل کی گئی ہیں اور ہائیکورٹ کے فیصلوں میں نقل کی گئی ہیں۔ کیا وہ اسی اصل کے مطابق جو انہوں نے یہاں اختیار کیا ہے ان گالیوں کو بھی سچا سمجھنے کے لئے تیار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہیں سے مولوی صاحب کے دل میں مرض پیدا ہونا شروع ہؤا ہے اور جب کسی کو آقا کے متعلق شبہات پیدا ہو جائیں تو اس کا غلاموں کے متعلق شک کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہوسکتا۔ مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اس بات کو کسی قسم کی اہمیت دینا نادانی ہے جب بھی کوئی جج کسی پر الزام قائم کرے گا اس کے لئے

ضروری ہوگا کہ وہ اس کا جُرم بیان کرے۔ مثلاً بزرگوں کو گالیاں دینا ایک جُرم ہے اب کوئی بھی جج جب کسی کے متعلق یہ فیصلہ کرے گا کہ اس نے دوسری قوم کے بزرگوں کو گالیاں دیں تو وہ اُس کی گالیوں میں سے کچھ گالیاں اپنے فیصلہ میں نقل بھی کرے گا۔ بغیر اس کے اس کا فیصلہ مکمل کس طرح ہوسکتا ہے۔ پس مصری صاحب کی چند گالیوں کے نقل ہو جانے سے اس میں طاقت کونسی پیدا ہوگئی کہ مولوی صاحب کو یہ فکر لاحق ہوگیا کہ اب یہ باتیں ساری دنیا میں پھیل جائیں گی اور لوگ نہ معلوم کیا کچھ کہیں حالانکہ اس قسم کے ٹریکٹ اور اشتہارات شائع بھی وہیں سے ہوتے ہیں اور وہ ان کی اشاعت کے لئے روپے پیسے بھی خرچ کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ انہیں افسوس بھی ہوتا ہے کہ اب یہ لوگوں میں پھیلیں گی اور وہ بُرا اثر قبول کریں گے۔

مولوی صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ برابر ان کی طرف سے ہم پر گندے حملے ہوتے جا رہے ہیں اور شاید وہ سمجھتے ہیں کہ گالیاں ہم کو ہی دی جاتی ہیں اور ہمارے متعلق ہی ایسی باتیں کہی جاتی ہیں کسی اور کے متعلق ایسی باتیں نہیں کہی جاتیں حالانکہ کہنے والوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں کہیں اور وہ ان کے مرید تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں کہیں اور وہ ان کے مرید تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں کہیں اور کہنے والے آپ کے مرید کہلاتے تھے۔ پس جب اس قدر عظیم الشان ہستیوں پر ان کے مرید کہلانے والوں نے الزام لگائے تو میری یا اور کسی کی کیا ہستی ہے کہ ہم ایسے الزاموں سے بچ جائیں۔ خود مولوی محمد علی صاحب اور ان کے خاندان کے متعلق بھی ایسی کئی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے پاس جب وہ باتیں پہنچتی ہیں تو میں انہیں دبا دیتا ہوں۔ مگر مولوی صاحب کے پاس جب ہمارے متعلق کوئی اس قسم کی بات پہنچتی ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑتے ہیں اور اس کی اشاعت اور ترویج میں حصہ لینے لگ جاتے ہیں لیکن ان کا یہ سلسلہ مخالفت کا اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کرنا جہاں کھڑے ہونے کا شریعت انہیں حق نہیں دیتی لمبا ہوتا چلا جاتا ہے اور میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ان کا یہ سلسلہ لمبا چلتا چلا گیا اور ہماری جماعت کے آدمیوں نے بھی ان باتوں کو دہرانا شروع کر دیا جو ان کی جماعت کے ہی بعض افراد جن کی پوزیشن مصری صاحب سے ملتی ہے ان کے متعلق کہتے ہیں تو پھر

انہیں ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ہماری طرف سے اس قسم کے جواب دیئے گئے تو تھوڑے ہی دنوں میں ان کی جماعت چیخ پڑے گی۔ یہ محض میری شرافت ہے کہ بیس سال سے جو باتیں میں ان کے متعلق، ان کے خاندان کے متعلق اور ان کی جماعت کے متعلق سنتا چلا آ رہا ہوں انہیں میں نے کبھی ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ میں کہتا ہوں کہ جس بات کو میں اپنے متعلق ناجائز سمجھتا ہوں میرا کوئی حق نہیں کہ میں اسے دوسروں کے متعلق جائز قرار دوں۔ یہی اسلام نے ہمیں سبق سکھایا ہے اور اس سبق کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ہمیں تعلیم دی ہے۔ پس میں ایسی باتوں کو نہ اپنے متعلق جائز سمجھتا ہوں اور نہ ان کے متعلق جائز سمجھتا ہوں مگر چونکہ وہ متواتر اس قسم کے حملے ہم پر کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ خود شیشے کے محل میں بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں شیش محل میں بیٹھ کر دوسرے پر پتھر مارنا کوئی عقلمندی نہیں ہوتی کیونکہ اگر دوسرے نے بھی پتھر مارنے شروع کر دیئے تو اس کا شیش محل چکنا چُور ہو جائے گا۔ پس اگر وہ سمجھتے ہیں کہ کسی مخالف یا مرید کہلانے والے یا ہم عقیدہ کا کوئی اعتراض بیان کرنا جائز ہوتا ہے اور لوگوں کو اس بات کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسے درست سمجھتے ہوئے پھیلائیں اور یہ کہنا شروع کر دیں کہ تمام جماعت بگڑ گئی ہے اب نیکی اور تقویٰ کا تو نام ونشان تک نہیں رہا تو پھر مہربانی کر کے وہ چیخیں نہیں اگر ان کے متعلق ایسی ہی باتیں ہماری طرف سے شائع کر دی جائیں۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ مرید ایسی باتیں کہتے ہیں سو مولوی صاحب نے اس امر کے بیان کرنے میں بھی دیانت سے کام نہیں لیا کیونکہ مولوی صاحب کو معلوم ہے کہ مصری صاحب خلافت کے اس رنگ میں منکر ہیں جس رنگ میں ہم قائل ہیں اور جب انہیں ہم سے اختلاف مذہبی پیدا ہو چکا ہے تو ان کی ظاہری بیعت جو ارتداد سے پہلے تھی بیعت نہیں کہلا سکتی۔

باقی رہا کام تو ان کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا ایک مبلغ ہندوستان سے باہر کام کر رہا ہے تو ہمارے تیس چالیس مبلغ کام کر رہے ہیں۔ رہا قرآن مجید کا ترجمہ تو اس کے متعلق میں اُن سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے ترجمہ کی تاریخ کو دنیا کے سامنے لانے سے نہیں شرماتے تو ہم اس سوال کو بھی دنیا کے سامنے لانے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے ترجمہ میں

بے شک دیر ہوگئی ہے مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مولوی شیر علی صاحب کی صحت ایسی نہ تھی کہ وہ اس کام کو جلد کر سکتے اور ترجمہ کا شائع کرنا ہی اصل کام نہیں ترجمہ تو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی شائع نہیں کیا۔ ہاں علم قرآن کے بارے میں مولوی صاحب کو بار بار مقابلہ کا چیلنج دے چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ اگر انہیں علم قرآن کا دعویٰ ہے تو وہ میرے سامنے بیٹھ جائیں اور تفسیر نویسی میں مجھ سے مقابلہ کر لیں لیکن وہ کبھی بھی اس طرف نہیں آتے اور مجھے یقین ہے کہ اب بھی نہ آئیں گے وہ ہمیشہ ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل سیدھی سادی بات ہے ایک رکوع یا ایک سورۃ قرعہ کے ذریعہ نکال لی جائے۔ پھر اس کی تفسیر وہ بھی لکھیں اور میں بھی لکھتا ہوں۔ اس تفسیر کو شائع کر دیا جائے پھر دنیا کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ علم کے دروازے کس پر کھولے گئے ہیں اس میں زیادہ شرائط کی بھی ضرورت نہیں۔ امن کے قیام کی ایک شرط رکھ لی جائے اور بالمقابل بیٹھ کر کسی رکوع یا کسی سورۃ کی تفسیر لکھنی شروع کر دی جائے۔ بعد میں وہ دونوں شائع کر دی جائیں لوگ خود بخود فیصلہ کر لیں گے کہ معارفِ قرآن کس پر کھولے گئے ہیں۔ مگر سابقہ تجربہ بتاتا ہے کہ جب بھی تفسیر نویسی میں مقابلہ کا ذکر شروع ہو وہ ایسی شرائط پیش کرنے لگتے ہیں جن کا تفسیر نویسی سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا بلکہ محض ایک اکھاڑہ جمانا مقصود ہوتا ہے حالانکہ تفسیر نویسی کے کام میں زیادہ تر آسانی انہیں حاصل ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی ایک تفسیر پہلے سے لکھ چکے ہیں مگر میں نے کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ پس وہ ظاہری حالات کے مطابق تفسیر کے لکھنے پر زیادہ قادر ہیں۔ ایسی تفسیر دنیا میں جب شائع ہو جائے گی لوگ خود بخود فیصلہ کر لیں گے کہ زیادہ معارف کس نے بیان کئے ہیں اور دنیا کا فیصلہ ہی اصل فیصلہ ہوتا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ انبیاء بھی بوجہ مبلغ سماوی ہونے کے دنیا ہی کو مخاطب کرتے چلے آئے ہیں خلفاء بھی اسی کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ علماء بھی دنیا کو اپنا ہم خیال بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ میرا کام بھی یہی ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس صداقت کا قائل کروں جس کو میں صداقت سمجھتا ہوں اور مولوی صاحب کا بھی یہی کام ہے۔ پس بہترین فیصلہ کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ ہماری تفسیریں شائع ہو کر لوگوں میں پھیل جائیں گی لوگ خود فیصلہ کر لیں گے اگر ان کی تفسیر بہتر ہوئی

تو خود بخود لوگوں کی رغبت ان کی طرف ہو جائے گی اور اگر میری تفسیر اعلیٰ ہوئی تو لوگوں کی رغبت میری طرف بڑھ جائے گی۔ اس کام کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ دونوں تفسیریں ایک جِلد میں چھَپ جائیں۔ اس کے لئے ہمارے اکٹھا بیٹھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ دونوں طرف کے نمائندے اکٹھے ہو کر قرعہ ڈال لیں اور ایک وقت مقرر ہو جائے کہ فلاں ٹکڑہ کی اتنے دنوں کے اندر تفسیر لکھی جائے پھر وقت مقررہ پر دونوں طرف کے نمائندے تفاسیر پیش کر دیں اور ہر فریق دوسرے کو کاپی دے دے جو بعد ازاں اکٹھی چھپ جائیں اور دونوں فریق اس کا خرچ برداشت کریں اور چھپنے پر برابر برابر کاپیاں لے لیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ''اعجاز المسیح'' کے وقت اسی رنگ میں تفسیر لکھی ہے۔ اس مقابلہ میں یہ تو سوال ہی نہیں کہ الگ تفسیر لکھی گئی تو دوسرے لوگ مدد دے دیں گے کیونکہ اوّل تو یہ سہولت مولوی صاحب کو بھی حاصل ہوگی۔ دوسرے اس قسم کی تفسیر کی خوبی تو نئے معارف سے ظاہر ہوگی اور یہ معارف تو بہرحال عارف ہی بیان کر سکتا ہے۔ ورنہ ظاہری علم تو یقیناً مولوی صاحب کا مجھ سے زیادہ ہے اس کا تو انکار میں نے کبھی کیا ہی نہیں وہ ایم۔اے ہیں اور میں پرائمری پاس بھی نہیں ہوں۔ میں ان کی اس فوقیت کا مقر ہوں مجھے تو جس امر میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ میں کہتا ہوں خدا تعالیٰ میری مدد کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں خدا تعالیٰ میری مدد کرتا ہے گویا الٰہی مدد اور نصرت کا سوال ہے کسی ذاتی علم کا سوال نہیں۔

پس وہ اس طریق کو اختیار کر کے دیکھ لیں جو میں نے تجویز کیا ہے۔ پھر خود بخود ان پر واضح ہو جائے گا کہ اس میں مجھے ان پر فوقیت حاصل ہے لیکن اگر باوجود میرے اس طریق کو پیش کر دینے کے مولوی صاحب نے اپنے طریق کو نہ بدلا تو میں انہیں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ناراض کرنے کے سامان پیدا کر رہے ہیں۔ لوگ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں اور وہ اس کو ناراض کرنے کے حیلے ڈھونڈ رہے ہیں اگر وہ اس طریق سے باز نہیں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ذلت کے سامان کرے گا۔ وہ ہمارے متعلق بے شک جو چاہیں کہیں ہم جانتے ہیں کہ وہ گو اقلیت میں ہیں مگر انہوں نے ایک بڑی اکثریت سے جو ہماری مخالف ہے صلح کی ہوئی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک

بڑی اکثریت کو اُن سے ہمدردی ہے اور وہ انہیں مسلمان کہہ کہہ کر خوش کرتے رہتے ہیں۔ پس دُنیوی طاقت کے لحاظ سے بے شک وہ ہم سے بڑھے ہوئے ہیں مگر ہمارا اور ان کا مقابلہ دُنیوی طاقت سے نہیں یہ کوئی جسمانی لڑائی بھڑائی نہیں جس میں عدد اور شمار کا سوال زیادہ اہمیت رکھ سکتا ہو۔ یہ الٰہی مدد اور الٰہی گرفت کا سوال ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو باتیں آج مصری صاحب میرے متعلق کہہ رہے ہیں ایسی ہی باتیں اُن کی پارٹی کے بعض آدمی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہا کرتے تھے۔ پس اگر ایسی باتیں کہنا کوئی ثبوت ہوتا ہے تو پھر انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی چھوڑ دینا چاہیے اور ان کو معلوم ہے کہ ایسی ہی باتیں پہلے انبیاء وخلفاء اور خدا تعالیٰ کے مقدس اور پاک لوگوں کے متعلق ان کے دشمن کہتے چلے آئے ہیں۔ وہ مبالغہ سے بھی کام لیتے رہے ہیں، وہ جھوٹ سے بھی کام لیتے رہے ہیں، وہ دھوکا اور فریب بھی استعمال کرتے رہے ہیں اور ہزاروں ترکیبیں اپنی فتح کی ایجاد کرتے رہے ہیں مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ اسی طرح اب انشاء اللہ دنیا دیکھ لے گی کہ میرے مخالف کامیاب نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ باوجود ان باتوں کے انہیں میری طرف کھینچ کھینچ کر لاتا جائے گا اور میرے ذریعہ سے انشاء اللہ احمدیت اور اسلام کی ترقی دنیا کے چاروں گوشوں میں ہوتی جائے گی اور دشمن حسد کی آگ میں جلتا چلا جائے گا۔

مجھے افسوس ہے کہ پہلے لوگوں کے حالات مولوی صاحب کے سامنے ہیں مگر باوجود اس کے وہ گند میں پتھر مارنے سے باز نہیں آتے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ ہمیں ڈر ہے یہ باتیں مشہور نہ ہو جائیں۔ حالانکہ ان کیچڑ اُچھالنے والوں کو چندہ دینے والے بِالعموم پیغامی ہی ہوتے ہیں۔ چند سال پہلے جب مستریوں کی طرف سے شورش اُٹھی تھی تو اس وقت بھی ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم نے ان کے لٹریچر کی اشاعت میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ مگر بغداد سے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ یہ غلط ہے۔ خود احمدیہ بلڈنگز سے ایک غیر مبائع کو ایسا لٹریچر آتا رہا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے اس غیر مبائع نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ یہ شہادت اُنہی دنوں ''الفضل'' میں بھی شائع کرا دی گئی تھی۔ اسی طرح ہمارے پاس اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ ان کی انجمن کے بعض افسروں نے اپنے کلرکوں کو

رُقعے لکھے ہیں کہ فلاں شخص مثلاً مستری عبدالکریم کو اتنے روپے دے دو۔ ایک شخص ان لوگوں میں سے باغی ہو کر الگ ہو گیا تھا۔ اس نے ان کی انجمن کے تمام ریزولیوشنوں کی نقل اور اُن چِٹھیوں کی کاپیاں تک مجھے بھجوادیں وہ غالباً محاسب کے عہدہ پر کام کر چکا تھا۔ تو یہ درست نہیں کہ یہ لوگ ہمارے مخالفوں کی مدد نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود انہیں اُکساتے ہیں۔ خود ان کی مدد کرتے ہیں خود ان کی باتوں کو پھیلاتے ہیں اور روپے والے ان کی روپوں سے مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے جلسہ سالانہ کے موقع پر ہی لائل پور کا ایک پیغامی یہاں آیا اور اس نے ایک معقول رقم انہیں مدد کے طور پر دی اور وعدہ کیا کہ اگر ان کا کوئی آدمی لائل پور آئے تو وہ اور بھی مدد کر دیں گے۔ اسی طرح اور لوگ بھی ان کی مدد کرتے رہتے ہیں اور جب یہ معترض وہاں جاتے ہیں تو وہ ان کی کافی مدد کرتے رہتے ہیں۔

پس یہ غلط ہے کہ ان باتوں کے پھیلنے سے ان کو رنج ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں کے پھیلانے میں ان کا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں ان باتوں پر کوئی غصہ نہیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں اس قسم کی باتیں کرنے والا زیادہ دیر تک لوگوں میں اپنی حیثیت قائم نہیں رکھ سکتا۔ آخر کب تک یہ حقیقت لوگوں کی نظر سے مخفی رہ سکتی ہے کہ ایک طرف تو یہ خود فتنہ کھڑا کریں۔ خود اس فتنہ کی آگ کو ہوا دیں خود فتنہ پردازوں کی مدد کریں، خود ان کی باتوں کو لوگوں میں پھیلائیں اور پھر بڑے ناصح اور مشفق بن کر کہنے لگ جائیں کہ ہمیں ان باتوں کا سخت صدمہ ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ یہ باتیں کہیں پھیل نہ جائیں تو یہ بات دنیا کے علم سے زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتی لیکن میں سمجھتا ہوں کوئی وقت ایسا بھی آجایا کرتا ہے جب کہ عفو کرنا جائز نہیں ہوتا۔

پس ممکن ہے ہم پر بھی کبھی وہ وقت آجائے جب کہ ہمارے لئے عفو اور خاموشی ناجائز ہو جائے اور ہم کو بھی اُن کے مقابلہ میں ان کی باتوں کی تشہیر کرنی پڑے اور اگر ایسا موقع پیش آیا تو یقیناً اس کی ذمہ داری پیغامیوں کی جماعت پر ہی ہوگی اور پھر کوئی پیغامی ہم پر ناراض نہ ہو بلکہ اپنے امیر پر ناراض ہو کیونکہ وہ متواتر اس طریق کو اختیار کرتے چلے جارہے ہیں جو شرافت اور تہذیب کے بالکل خلاف ہے۔

لاہور کے ایک ہندو جو ہندوؤں کے مشہور لیڈر رہیں ان کی لڑکی کے متعلق کئی سال ہوئے

اخبارات میں بڑا شور اُٹھا کہ اس کی خط و کتابت کسی شخص سے پکڑی گئی ہے۔ الفضل کا ایڈیٹر میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ فلاں ہندو کی لڑکی کے خطوط پکڑے گئے ہیں۔ یہ واقعہ ایسا مشہور ہے کہ باوجود اس کے کہ کئی سال کا عرصہ گزر چکا ہے اب تک بھی کبھی کبھی اخبارات میں اس کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے چنانچہ آٹھ دس دن ہوئے ایک ہندو اخبار مَیں نے کھولا تو اس میں ایک مقام پر اس لڑکی کا ذکر تھا اور لکھا تھا کہ اس کے فلاں سے تعلقات تھے اور گو اس نے نام بھی لکھ دیئے اور بیسیوں اخبارات میں بھی یہ بات آ چکی ہے مگر میں اب بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ ان کے نام لوں، تو الفضل کا ایڈیٹر میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ یہ شخص سلسلہ کا سخت مخالف ہے۔ اب خدا نے ہمیں ایک موقع عطا کیا ہے اس کی لڑکی کے خطوط پکڑے گئے ہیں بہتر ہے کہ ہم بھی اس واقعہ کا اپنے اخبار میں ذکر کر دیں۔ میں نے اسے کہا بیشک خدا تعالیٰ نے تمہیں یہ موقع دیا ہے مگر یہ موقع خدا تعالیٰ نے تمہیں اپنی شرافت کے اظہار کا دیا ہے تمہیں چاہیئے کہ تم اس کے خلاف پروٹسٹ کرو کہ ایک مسکین اور بے کس لڑکی کے خلاف اخبارات میں جو پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے یہ نہایت ہی کمینہ پن اور اخلاق سے گرا ہوا فعل ہے۔ چنانچہ ہمارے اخبار میں عام اخبارات کے رویہ کے خلاف پروٹسٹ کیا گیا مگر اس ہندو لیڈر نے ہمیں اس کا یہ بدلہ دیا کہ جب مستریوں کا فتنہ اُٹھا تو اس نے ہمارے خلاف خوب لکھا۔ مجھے جب اس کا علم ہؤا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے سمجھا اب کسی شریف آدمی کے سامنے بھی یہ دونوں باتیں رکھ دی جائیں کہ ہم نے اس سے کیا سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا تو یقیناً ہماری ہی فتح ہوگی اور ہر شریف انسان کے دل میں ہماری عزت اور عظمت بیٹھ جائے گی۔ آجکل بھی اس کے بیٹے کے متعلق اخبارات میں بعض حملے ہوئے تو ہمارے اخبار نے میرے اسی حکم کے مطابق جو میں نے اس وقت دیا تھا اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا حالانکہ جس طرح وہ ہمارے خلاف ہمیشہ لکھتا رہتا ہے، اس کے لحاظ سے اگر وہ چاہتے تو وہ خود بھی اس واقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کے خلاف لکھ سکتے تھے مگر انہیں چونکہ میری پالیسی کا علم تھا اس لئے انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور میں سمجھتا ہوں اگر پھر بھی کبھی اس پر یا اس کے خاندان کے کسی فرد پر کوئی غیر شریفانہ حملے ہوئے تو ہم کبھی حملہ کرنے والوں کی حمایت نہیں کریں گے اور کبھی

وہ طریق اختیار نہیں کریں گے جو وہ ہمارے متعلق اختیار کرتا رہا ہے کیونکہ شریف شرافت سے بدلہ لیا کرتا ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے کہ ایک افسر تھا جسے اپنے ماتحت سے ضد تھی اور وہ کبھی کبھی اس پر سختی کر لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے اسے گالی دے دی وہ ماتحت بہت باغیرت نوجوان تھا اسے یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی مگر چونکہ وہ افسر کے مقابلہ میں کچھ کر نہیں سکتا تھا اس لئے خاموش ہو رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد جنگ چھڑ گئی اور اسی افسر کو ایک بالا افسر کی طرف سے ایک پہاڑی فتح کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے تاکید کی گئی کہ جس طرح بھی ہو یہ پہاڑی ضرور فتح کی جائے اس نے بہت زور لگایا مگر وہ اس پہاڑی کو فتح نہ کر سکا۔ جب وہ عاجز آ گیا تو اس نے تمام سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا آج میری اور تمہاری عزت کا سوال ہے اور مجھے ایسے نوجوان درکار ہیں جو اپنی جان قربان کرنے اور موت کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ چونکہ اس پہاڑی کو فتح کرنا یقینی موت تھا اس لئے اس نے جبری حکم نہ دیا بلکہ کہا کہ جو شخص خوشی سے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہے وہ آگے آئے یہ سن کر وہی نوجوان جسے اس نے گالی دی تھی آگے بڑھا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیا۔ اسے دیکھ کر اور نوجوان بھی آگے بڑھے اور انہوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ چنانچہ ان سب نے پہاڑی پر دھاوا بول دیا اور اس نوجوان نے تو ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ اپنی طرف سے موت قبول کرنے میں اس نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ جہاں گھمسان کی لڑائی ہوتی وہاں وہ پہنچ جاتا اور جہاں زیادہ خطرہ ہوتا اس میں بے دھڑک کُود جاتا۔ آخر یہ جدوجہد نتیجہ خیز ہوئی اور وہ پہاڑی فتح ہوگئی۔ فتح کے بعد نام چونکہ افسر کا ہی ہونا تھا اور اعزاز افسر کو ہی ملنا تھا اس لئے وہ بڑی خوشی کے ساتھ نیچے کھڑے ہو کر یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ جب فتح کے بعد وہ نوجوان واپس آیا تو افسر نے آگے بڑھ کر اس کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں مگر جب اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو نوجوان نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور کہا۔ آپ کو یاد ہے آپ نے فلاں وقت مجھے گالی دی تھی۔ میرے دل میں اس گالی کا احساس تھا اور میں نے آج اس گالی کا آپ سے اسی طرح بدلہ لے لیا ہے جس طرح ایک شریف بدلہ لیا کرتا ہے۔ کیونکہ میری اس قربانی کی وجہ سے آپ کا نام مشہور ہوگا۔ آپ کو رتبہ میں ترقی ملے گی اور آپ کو اعزازی خطاب مل جائیں گے۔

شریف اسی رنگ میں بدلے لیا کرتے ہیں مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے بعض دفعہ جب بات حد سے بڑھ جاتی ہے تو پھر کسی حد تک ان باتوں کا جواب بھی دینا پڑتا ہے۔ عیسائی ہمیشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کیا کرتے تھے اور مسلمان چونکہ ان کے حملوں کا جواب نہیں دیا کرتے تھے۔ اس لئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے بانی میں عیب ہی عیب ہیں اگر کسی میں عیب نہیں تو وہ یسوع کی ذات ہے وہ مسلمانوں کی شرافت کے غلط معنی لیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے چونکہ ہم گند اُچھالتے ہیں اور یہ نہیں اُچھالتے اس لئے معلوم ہوا کہ واقع میں ان کے سردار میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ دنوں کے بعد دن گزرے، ہفتوں کے بعد ہفتے، سالوں کے بعد سال اور صدیوں کے بعد صدیاں سات آٹھ سَو سال تک عیسائی متواتر گند اچھالتے رہے اور مسلمان انہیں معاف کرتے رہے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ اب ذرا تم بھی ہاتھ دکھاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ہمیں تم میں کوئی عیب نظر آتا ہے یا نہیں چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یسوع کو مخاطب کرتے ہوئے وہ باتیں لکھنی شروع کیں جو یہودی آپ کے متعلق کہا کرتے تھے یا خود مسیحیوں کی کتابوں میں لکھی تھیں۔ ابھی اس قسم کی دو چار کتابیں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھی تھیں کہ ساری عیسائی دنیا میں شور مچ گیا کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہی ہم نے تم کو کہا تھا کہ تمہارا طریق اچھا نہیں مگر تم نے ہماری بات کو نہ سمجھا۔ آخر جب خود تم پر زد پڑنے لگی تو تمہیں ہوش آ گیا اور تم کہنے لگ گئے کہ یہ طریق درست نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض دفعہ اس کے متعلق ایک لطیفہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بعض دفعہ حقیقت معلوم کرنے اور دوسرے کا جائزہ لینے کے لئے انسان کو ایسا طریق بھی اختیار کرنا پڑتا ہے جو عام طریق کے مخالف ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے کہ کوئی سکھ صاحب تھے ان کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں، داڑھی بھی ان کی بڑی لمبی تھی اور چہرے پر قدرتی طور پر بال بھی بہت زیادہ تھے۔ سکھوں میں چونکہ مذہباً بال کٹوانے منع ہیں اس لئے ان کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے وہ ایک دن اپنے چبوترہ پر بیٹھے تھے اور بالوں کی کثرت کی وجہ سے حال یہ تھا کہ ان کے ہونٹ بالکل چھپے ہوئے تھے مسلمان چونکہ مونچھیں کترواتے رہتے ہیں اس لئے ان کے ہونٹ

صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں مگر ان سکھ صاحب کے بال چونکہ قدرتاً بہت بڑے بڑے تھے اور پھر انہوں نے مذہبی لحاظ سے ان بالوں کو کبھی ترشوایا بھی نہیں تھا اس لئے مونچھوں اور چہرے اور داڑھی کے بالوں سے ان کے ہونٹ بالکل چھُپ گئے تھے اتفاقاً ان کے پاس سے کوئی مسلمان گزرا اور وہ کھڑا ہو کر حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگ گیا۔ مزید اتفاق یہ ہؤا کہ اس وقت وہ سکھ صاحب کسی فکر میں خاموش بیٹھے تھے، اب یہ دیکھ دیکھ کر حیران تھا کہ یہ کیا تماشہ بناہؤا ہے مگر اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔ آخر قریب آ کر اس نے ان سکھ صاحب کے ہونٹوں کے قریب ہاتھ مارا یہ دیکھنے کے لئے کہ ان کے ہونٹ بھی ہیں یا نہیں۔ اب ایک بھلا مانس بیٹھا ہؤا ہو اور کوئی گزرنے والا اس کے منہ پر ہاتھ مارنا شروع کر دے تو اسے لازماً غصہ آئے گا۔ سردار صاحب نے بھی آنکھیں کھول کر اسے سخت سست کہنا شروع کر دیا اور کہا نامعقول یہ کیا حرکت کرتا ہے وہ کہنے لگا سردار جی معاف کروا تنا ہی دیکھنا تھا کہ آپ بولتے کس طرح ہیں۔ تو بعض دفعہ کسی دوسرے پر اس کی حقیقت واضح کرنی پڑتی ہے اور بعض دفعہ خود کوئی مخفی حقیقت معلوم کرنے کی تڑپ ہوتی ہے اور ان دونوں صورتوں میں بعض دفعہ ایسے امور بھی زیر بحث لانے پڑتے ہیں جن کو عام حالات میں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔ میرا طریق یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس سے بچا جائے لیکن اگر کوئی شخص ہمیں اس پر مجبور کر دے یا ضرورت ہمیں یہ طریق اختیار کرنے پر مجبور کر دے تو پھر اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عیسائیوں نے اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ آپ یسوع کے حالات بے نقاب کریں۔ مگر جب آپ نے انہی کی کتابوں میں سے حالات بیان کرنے شروع کر دیئے تو عیسائی گھبرائے اور انہوں نے رفتہ رفتہ اس طریق کو ترک کر دیا جس طریق کو وہ پہلے بڑی شدّ ومد کے ساتھ استعمال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے تو ان کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پے در پے ایسے رسائل نکلتے تھے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی تھی مگر اب ہندوستان میں عام طور پر عیسائی ایسا نہیں کرتے یورپ میں ابھی ویلز اور فشر جیسے عیسائی مصنفین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بعض اس قسم کے توہین آمیز کلمات لکھ دیتے ہیں لیکن اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ابھی ان کو اس رنگ میں جواب نہیں دیا گیا جس رنگ میں جواب دینا ایسے

عیسائیوں کو ساکت کر سکتا ہے لیکن اگر ہم نے یورپ میں اس قسم کے جوابات شائع کرنے شروع کر دیئے تو پھر عیسائی ہماری منتیں کرنے لگ جائیں گے کہ ایسا نہیں چاہیے اور میرا ارادہ ہے کہ اگر یورپ کے عیسائی اس طریق سے باز نہ آئے تو انگلستان میں بھی اپنے مبلّغین کو اسی قسم کا جواب دینے کی ہدایت کر دوں پھر انہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ طریق کہاں تک پُرامن ہے۔ اب تو وہاں کی گورنمنٹ یہ کہہ دیا کرتی ہے کہ ہمارے ہاں اس قسم کے مصنفین کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے کوئی قانون نہیں لیکن جب ہم بھی ایسی باتوں کو شائع کریں گے تو اس وقت دیکھیں گے کہ وہاں کوئی قانون بنتا ہے یا نہیں۔ تو اس قسم کی مجبوریاں بعض دفعہ انسان کو اپنا طریق بدلنے پر مجبور کر دیا کرتی ہیں لیکن جب تک مجبوریاں نہ ہوں ہم اپنا پہلا طریق عمل ہی جاری رکھیں گے اور کہیں گے کہ ان باتوں کا خدا خود فیصلہ کرے گا ہمیں جواب دینے کی کیا ضرورت ہے ہاں جب الٰہی قانون ہمیں اس بات کی ہدایت کرے کہ تم جواب دو تو پھر ہم جواب دینے پر مجبور ہونگے اور میں جانتا ہوں کہ پھر یہی لوگ ہمارے آگے ہاتھ جوڑیں گے اور کہیں گے یوں نہیں کرنا چاہیے۔

مجھے مجبوراً آج ان امور کے متعلق کچھ کہنا پڑا ورنہ ان دنوں مَیں تحریک جدید کے متعلق خطبوں میں مشغول ہوں اور آج بھی کچھ نہ کچھ اس موضوع کے متعلق کہنا چاہتا ہوں گو اب تین بجنے والے ہیں اور وقت بہت ہی کم رہ گیا ہے مگر پھر بھی میں دو چار منٹ میں ایک اہم امر کی طرف جماعت کے دوستوں کو توجہ دلا دیتا ہوں۔ میں بتا چکا ہوں کہ بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے اور اس ملک میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے اور سلسلہ کے کاموں کو مضبوطی سے چلانے کے لئے مجھے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کریں۔ میں شروع سے بتاتا چلا آ رہا ہوں کہ تحریک جدید کا کام وسیع کرنے کے لئے ہمارے پاس روپیہ نہیں۔ اگر ساری جماعت اپنی ساری دولت بھی دے دے تب بھی اتنا روپیہ ہمارے ہاتھ میں نہیں آ سکتا جس کے ذریعہ سے ہم اس کام کو سرانجام دے سکیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اگر ہم کام کر سکتے ہیں تو اسی طرح کہ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں اور وہ قلیل گزاروں پر جو ان کی حیثیت کے لحاظ سے قلیل ہوں کام کریں۔ چونکہ حقیقت بھی یہی ہے

اور تجربہ سے بھی یہی ثابت ہؤا ہے کہ جب تک مبلغ اعلیٰ پایہ کی علمی قابلیت نہ رکھتے ہوں، اس وقت تک تبلیغ سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ان نوجوانوں کو تعلیم دلائیں۔ نہ صرف دینی بلکہ دنیوی بھی تا کہ بیرونی ممالک میں جب وہ کام کرنے کے لئے نکلیں تو ان کی راہ میں کوئی روک واقع نہ ہو۔ پس ہر نوجوان کو دو تین سال تک تعلیم دینے کے بعد پھر کام پر لگایا جائے گا بلکہ ڈیڑھ دو سال تو قادیان کی تعلیم پر ہی جو مذہبی اور دینی تعلیم ہے خرچ ہو جائیں گے اور ڈیڑھ دو سال انہیں بیرونی ممالک میں سے کسی ملک میں انگریزی یا عربی کی تعلیم دلانی پڑے گی تب کہیں جا کر وہ کام کے قابل بن سکیں گے۔ پس اس کے لئے آج ہی تیاری کی ضرورت ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس ۱۲ نوجوان ہیں جو یا تو انگریزی کے گریجوایٹ ہیں یا عربی کے گریجوایٹ ہیں لیکن ابھی اور بہت سے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ پہلے کام کو شروع کرنے کے لئے بھی اور آئندہ کام کو وسیع کرنے کے لئے بھی۔ پس میں آج پھر اپنی جماعت کے نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ہمت کر کے آگے آئیں اور اس جوش کا ثبوت دیں جس کا اظہار وہ اس طرح کیا کرتے ہیں کہ ہم اپنی جانیں احمدیت کی عزت کی حفاظت کے لئے قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آجکل اسلام کو اس کی ضرورت نہیں کہ تلوار اور بندوق سے جنگ کر کے جان قربان کی جائے بلکہ آجکل اپنی جان قربان کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ نوجوان اپنی تمام زندگی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے اِعلَاء کے لئے صرف کر دیں اگر ہماری جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کر دیں تو وہ دشمن کو کہہ سکتے ہیں کہ تم تو کہتے ہو یہ جماعت گندی ہوگئی، اس جماعت میں کوئی قربانی کی روح نہیں رہی، یہ دین سے غافل اور لاپرواہ ہو چکی ہے پھر اگر یہ جماعت ایسی ہی ہے تو ہم لوگ کہاں سے پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنی زندگی کی ہر گھڑی خدا تعالیٰ کے دین کے اِعلَاء کے لئے وقف کر دی ہے۔ یہ بہترین جواب ہوگا جو ہمارے نوجوان اپنے عمل سے دشمنوں کو دے سکتے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقف کی شرائط وہی ہیں جو شائع ہو چکی ہیں بعض لوگ یونہی اپنے نام پیش کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی کچھ مجبوریاں اور کچھ شرطیں بھی لکھ دیتے ہیں۔ یہ بالکل نادرست طریق ہے ہماری طرف سے جس قدر شرائط ہیں وہ چھپی ہوئی موجود ہیں۔

وہ دیکھ لی جائیں اور ان پر غور کرنے کے بعد اگر کوئی شخص تیار ہو تو وہ ہماری طرف آئے۔ یونہی اپنا نام پیش کر دینا اور پھر عذرات بیان کرنے لگ جانا مومنانہ طریق نہیں بلکہ اس طرح اپنے آپ کو پیش کرنا گناہ کا موجب ہے کیونکہ اس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ شخص جھوٹی شہرت چاہتا ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ اب کی دفعہ صرف ایسے ہی لوگ لئے جائیں گے جو یا تو انگریزی کے گریجوایٹ ہوں یا عربی کے۔ اگر کوئی نوجوان اپنی تعلیم کے ایسے حصہ میں ہو جس سے وہ عنقریب فارغ ہونے والا ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو پیش کرسکتا ہے۔ گو فیصلہ اسی وقت ہوگا جب وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو جائے گا مثلاً وہ نوجوان جنہوں نے اب کی دفعہ بی۔ اے کا امتحان دینا ہے یا جو وکالت یا ڈاکٹری کی تیاری کر رہے ہیں وہ اگر چاہیں تو اپنے آپ کو وقف کر سکتے ہیں۔ ان کے بقیہ زمانہ تعلیم میں ہمیں بھی علم ہو جائے گا کہ ہم انہیں لے سکتے ہیں یا نہیں اور انہیں خود بھی علم ہو جائے گا کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس زمانہ میں نوکریوں کا ملنا بہت مشکل ہو گیا ہے اور اگر کسی کو نوکری ملتی بھی ہے تو معاوضہ اتنا قلیل ملتا ہے کہ گزارہ ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس اگر انسان نے تعلیم سے فارغ ہو کر گھر میں بیٹھ کر ہی روٹی کھانی ہے تو کیوں نہیں وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیتا اور سمجھ لیتا کہ گھر میں بیکار بیٹھنے سے یہ کروڑ درجے بہتر ہے کہ انسان دین کی خدمت کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرے اور آئندہ آنے والی نسلوں کی دعا حاصل کرتا رہے۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے جو اسے حاصل ہوسکتا ہے۔ مگر کئی آدمی گھر میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہیں گے اور ہر روز اخبارات دیکھتے رہیں گے کہ کہیں اس میں کوئی ملازمت کا اعلان تو نہیں اور جب انہیں کوئی اعلان نظر آئے گا تو فوراً درخواست بھیج دیں گے۔ چند دن بعد جواب آ جائے گا کہ جگہ پُر ہوگئی ہے یا ہمیں جس لیاقت کا آدمی چاہیے تھا وہ تم میں نہیں۔ یا انٹرویو کے لئے آ جاؤ مگر آنے جانے کا خرچ تمہارا ہوگا۔ یہ پندرہ بیس روپے خرچ کر کے وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہاں چار پانچ سَو امیدوار ہیں جو ان سے لیاقت میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں اور یہ ان میں ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے اونٹوں میں بلّی۔ چنانچہ یہ وہاں سے ناکام و نامراد گھر واپس آئیں گے ماں باپ گالیاں دیں گے کہ بے حیا ہمیں تجھ سے امید تھی کہ تُو ہماری مدد کرے گا

مگر تو نے اُلٹا ہم پر دس پندرہ روپے کا مزید قرض چڑھا دیا۔ یہ حالات ہیں جو آجکل عام طور پر نوجوانوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔ پھر کیوں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ جب خدا نے ہمیں ایک ایسی جماعت میں پیدا کیا ہے جو دین کی خدمت کے لئے کھڑی ہے تو اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا وہ اعزاز حاصل کیا جائے۔ جس سے بڑا اور کوئی اعزاز نہیں۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم ایسے ہی لوگ لیں گے جو ہمارے معیار پر پورے اُتریں گے اور جن کے متعلق ہمیں یہ یقین ہوگا کہ وہ ہمارے کام کے اہل ہیں۔ بعض ممکن ہے محنتی نہ ہوں بعض ممکن ہے اچھی تقریر نہ کر سکتے ہوں۔ اسی طرح ممکن ہے بعض میں دین کی محبت اور اخلاص کم ہو۔ بعض کے متعلق شبہ ہو کہ وہ سچائی کے معیار پر پورے نہیں اُتریں گے بعض علوم میں ترقی کی قابلیت نہ رکھتے ہوں اور چونکہ اس قسم کے تمام امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جو نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں گے اُن میں سے ہم مناسب حال نوجوانوں کو چُنیں گے۔ مگر بہرحال جو اپنے آپ کو پیش کریں گے انہی میں سے ہم چُنیں گے جو اپنے آپ کو پیش ہی نہیں کریں گے ان کا انتخاب ہم کس طرح کر سکتے ہیں۔ پس میں آج کے خطبہ کے ذریعہ پھر اعلان کرتا ہوں کہ جو دوست گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل ہوں یا فنون عالیہ سیکھ رہے ہوں وہ اپنے آپ کو پیش کریں تا ہم انتخاب کر کے اُس تعداد کو پورا کر سکیں جس تعداد کو پورا کرنا اس دوسرے دور میں میرا منشاء ہے۔ اگر ایسے نوجوان ہمیں جلد میسر آ جائیں تو وہ موجودہ نوجوانوں کے ساتھ ہی تعلیم سے فارغ ہو جائیں گے۔ گو ان کی نو ماہ سے پڑھائی شروع ہے مگر نو ماہ کی پڑھائی کی کمی کو پورا کرنا ان کے لئے کوئی زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ اگر وہ توجہ اور محنت سے کام کریں گے تو امید ہے کہ یہ کمی بہت جلد پوری کر لیں گے اور اس طرح ہمارے لئے بھی آسانی رہے گی کہ ہمیں دو دفعہ سکول نہیں کھولنا پڑے گا اور نہ دو دفعہ مدرّسوں کو ان کی تعلیم کے لئے مقرر کرنا پڑے گا لیکن اگر جلد یہ تعداد پوری نہ ہوئی تو دو سال ان کی تعلیم اور پیچھے جا پڑے گی۔ اور اس کام میں زیادہ وقفہ پڑ جائے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس طرح پہلے نوجوانوں نے دلیری کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کیا ہؤا ہے اسی طرح اور نوجوان بھی اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ میرے پہلے اعلان کے بعد اس وقت تک پانچ سات درخواستیں آ چکی ہیں مگر یہ تعداد کافی نہیں

اور انتخاب کے لئے تو اس سے بہت زیادہ تعداد کی ضرورت ہے۔ پس دوست اپنے آپ کو وقف کریں مگر یہ ضروری ہوگا کہ وہ بلا شرط اپنی زندگی وقف کریں۔ جو شخص کسی شرط کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کرتا ہے اس کا وقف بالکل فضول ہے۔ یہ ساری عمر کا وقف ہوگا اور ان کا یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ پیچھے ہٹیں۔ ہاں ہمیں یہ اختیار ہر وقت حاصل رہے گا کہ ہم چاہیں تو انہیں شروع میں ہی ردّ کر دیں اور چاہیں تو کام کے دوران میں ان کو فارغ کر دیں۔ ہم ایسے نوجوانوں کو پہلے دین کی تعلیم دلائیں گے اور صحیح اسلامی تمدن انہیں بتائیں گے اس کے بعد انہیں دنیوی تعلیم دلائیں گے اور پھر ہم ان سے یہ امید رکھیں گے کہ وہ اپنی زندگی اسلام اور احمدیت کی اشاعت بنی نوع انسان کی ہمدردی اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کے لئے صرف کر دیں ہمیں ایسے نوجوان نہیں چاہئیں جو حکومت کے طالب ہوں بلکہ ہمیں وہ نوجوان چاہئیں جو سچے طور پر غرباء کی خدمت اور اپنے سلسلہ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں ان واقفین کے ذریعہ وہ جماعت تیار نہیں کرنا چاہتا جو افسروں کی جماعت ہو بلکہ وہ جماعت تیار کرنا چاہتا ہوں جس کے ہر فرد کو یہ احساس ہو کہ میں نے جماعت احمدیہ کی خصوصاً اور بنی نوع انسان کی عموماً خدمت کرنی ہے۔ جب تک اس رنگ میں کام کرنے والے ہمیں نہیں ملیں گے اس وقت تک وہ تمدن قائم نہیں ہوسکتا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں قائم کیا تھا اور جس کے قائم کرنے کی آپ نے تعلیم دی ہے۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے لئے ذلّت اختیار کرتا ہے وہ بہت زیادہ عزت حاصل کرتا ہے۔ کوئی تم میں سے یہ خیال نہ کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر کے اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کرلے گا۔ ذلیل وہی ہوتا ہے جس کے دل میں دوغلی حکومت ہوتی ہے۔ آدھی خدا کی اور آدھی شیطان کی۔ ایسا شخص کبھی ذلّت بھی دیکھ لیتا ہے مگر وہ جس کے دل پر خالص خدا تعالیٰ کی حکومت ہو وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا کئی ہیں جو کہتے ہیں کہ غرباء کی کوئی قدر نہیں۔ بے شک دنیا میں غرباء کی کوئی قدر نہیں مگر وہ جو خالص خدا تعالیٰ کے لئے غریب ہو اس کی پھر بھی عزت ہوتی ہے مگر وہ جو دوغلی چال چلے وہ اگر کسی وقت عزت پا لیتا ہے تو دوسرے وقت ذلیل بھی ہو جاتا ہے۔ آخر خود ہی غور کرو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کون سے امیر تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل کا اتنا

سادہ لباس ہوا کرتا تھا کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ مگر باوجود اس کے بڑے سے بڑا آدمی آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔ اسی طرح مجھے دنیوی لحاظ سے کونسی دولت حاصل ہے مگر دنیا میں کون ہے جو مجھے ذلیل سمجھ سکے۔ کسی علم کا ماہر میرے سامنے آ جائے خدا تعالیٰ کے فضل سے اُسے شکست ہی کھانی پڑتی ہے تو عزت کے مختلف موجبات ہوا کرتے ہیں کبھی دولت عزت کا موجب ہوتی ہے اور کبھی علم عزت کا موجب ہوتا ہے اور کبھی عرفان عزت کا موجب ہوتا ہے۔ دولت ہمارے پاس نہیں مگر علم روحانی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پاس بہت ہے۔ اگر ہمارے پاس امراء آتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ ہم سے کسی جائیداد کے طالب ہوتے ہیں بلکہ اس لئے کہ روحانی فائدہ حاصل کریں۔ اگر نواب آتے ہیں تو وہ بھی اسی لئے اور یہ خزانہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پاس بہت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عالم ہمارے پاس آئے گا تو اس لئے نہیں کہ ہم اس کا کوئی وظیفہ مقرر کر دیں بلکہ وہ کوئی علمی فائدہ ہم سے اُٹھانا چاہے گا یا اپنے علمی خیالات کے متعلق ہم سے تبادلہ خیالات کرنا چاہے گا اور یہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت دیا ہوا ہے اس کے مقابلہ میں ہم کسی کے دروازے پر جاتے ہی نہیں۔ پس اس بات کا کوئی سوال ہی نہیں کہ وہ کیا سمجھے گا۔ وہ جو جی میں آئے سمجھے مگر جو ہمارے پاس آئے گا وہ وہی چیز لینے آئے گا جو علمی رنگ میں ہمارے پاس ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پاس تھوڑی نہیں بلکہ بہت کافی ہے اسی لئے صوفیاء نے کہا ہے سالکین کو امراء کے دروازوں پر نہیں جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ وہ فقیر جو کسی امیر کے دروازے پر جاتا ہے وہ بہت ہی ذلیل ہوتا ہے۔ اسے کس نے کہا تھا کہ وہ اپنا گھر چھوڑے اور دوسرے کے دروازے پر جا کر بھیک مانگے۔ پس اگر یہ دوسرے کے دروازے پر جاتا نہیں اور خود اس کے پاس دولت نہیں تو جو شخص اس کے پاس آئے گا روحانی علم سیکھنے ہی آئے گا اور جب وہ علم سیکھنے کے لئے آئے گا تو لازماً عزت کرنے پر بھی مجبور ہوگا۔

کہتے ہیں ایک فلسفی غالباً دیوجانس اس کا نام تھا۔ سکندر نے اس کی شہرت سنی تو اس نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا چلو دیوجانس کی چل کر زیارت کریں۔ لوگوں نے کہا وہ سخت مزاج آدمی ہے آپ کی کوئی ہتک کر بیٹھے گا آپ اس کے پاس نہ جائیں۔ وہ کہنے لگا کیا حرج ہے۔

ہم نے اس سے اپنی عزت کروانے تھوڑا جانا ہے ہم تو اس سے کچھ سیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ سکندر وہاں گیا وہ اپنے مکان کے صحن میں لیٹا ہوا تھا دیوجانس دراصل ان لوگوں میں سے تھا جو دنیا کو بالکل چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں جیسے سادھو ہوتے ہیں۔ پس وہ بھی ایک سادھو تھا اسلامی صوفیوں کی طرح نہیں تھا۔ سکندر اس کے پاس کھڑا رہا مگر دیوجانس نے اس کی طرف منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ تھوڑی دیر کھڑا رہنے کے بعد سکندر اسے کہنے لگا کوئی میرے لائق خدمت۔ دیوجانس اُس وقت دھوپ سینک رہا تھا وہ کہنے لگا میں دھوپ سینک رہا تھا آپ نے آ کر دھوپ روک لی ہے۔ بس آپ کے لئے اتنی خدمت ہی کافی ہے کہ سامنے سے ہٹ جائیے اور مجھے دھوپ سینکنے دیجئے۔ سکندر اس کی اس بات کو سن کر حیران ہو گیا اور خاموشی سے واپس چلا آیا۔ اب دیکھو اس فلسفی نے دنیا سے چونکہ اپنی کوئی غرض نہیں رکھی تھی اس لئے سکندر جیسا بادشاہ بھی اس کے پاس جانے اور اس کی عزت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ تو ذلیل وہی ہوتا ہے جس کے دل میں کچھ نہ کچھ دنیا رہ جاتی ہے اور چونکہ اس کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے وہ محبت اسے ذلیل کر دیتی ہے۔ اگر یہ دنیا کی محبت اپنے دل سے بالکل نکال دے اور اس کے تن پر کپڑا بھی نہ ہو تو پھر بھی کون ہے جو اسے ذلیل سمجھ سکے۔ پس یہ مت خیال کرو کہ دنیوی دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے تم ذلیل ہو جاؤ گے۔ ذلیل وہی ہوتا ہے جو آدھا خدا کا ہوتا ہے اور آدھا شیطان کا اور آدھا تیتر آدھا بٹیر خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتا۔ یہ اِدھر خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اُدھر بندوں کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے کہ مجھ پر رحم کرو۔ مگر وہ جو دنیا کی محبت اپنے دل سے بالکل نکال دیتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے بادشاہت ملی تو میں بادشاہت لے لوں گا اور اگر فقیری ملی تو فقیری قبول کر لوں گا۔ اگر تخت ملا تو تخت پر بیٹھ جاؤں گا اور اگر پھانسی کا تختہ ملا تو اس پھانسی کے تختہ پر چڑھ جاؤں گا۔ ایسے شخص کو کوئی نہیں جو ذلیل سمجھ سکے۔ یہ خود کسی کے پاس اپنی کوئی غرض لے کر جائے گا نہیں اور جو اس کے پاس آئے گا وہ اس سے کوئی علمی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہی آئے گا اور اگر یہ سچا مومن ہے تو یہ خزانہ اس کے پاس اس کثرت سے ہوگا کہ باوجود خرچ کرنے کے ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔ پس دین کی خدمت اور خدا تعالیٰ کی محبت میں ہر قسم کی عزت ہے بشرطیکہ دنیا کا رُعب دل سے مٹ جائے اور خدا تعالیٰ کا رُعب دل پر

چھا جائے اور دراصل ایسے شخص کا وقف ہی حقیقی وقف ہے۔

پس میں آج پھر جماعت کے نوجوانوں کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کرو اور اپنے عمل سے دشمن کو یہ جواب دو کہ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے دین کی خدمت میں تم سے ہزاروں گنے بڑھ کر ہیں۔ اس وقت تک ہی جس قدر نوجوانوں نے ہماری جماعت میں سے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں اگر مولوی محمد علی صاحب جو یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ان کی جماعت شب و روز تبلیغ اسلام کر رہی ہے ان کا مقابلہ اپنی جماعت کے نوجوانوں سے کریں تو انہیں پتہ لگ جائے کہ کونسی جماعت ہے جو اسلام کی خدمت کر رہی ہے اور کونسی جماعت ہے جس میں خدمت اسلام کی تڑپ ہے۔ اگر ان میں ہمت ہے تو وہ بتائیں کہ ان کی جماعت کے کتنے گریجوایٹ اور مولوی فاضل ہیں جنہوں نے ان شرطوں پر اپنے آپ کو وقف کیا ہے جن شرائط پر ہماری جماعت کے نوجوانوں نے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اس رنگ میں بھی ہماری جماعت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن میں کہتا ہوں جتنا کام ہو چکا ہے تم اس سے بھی زیادہ شاندار نمونہ دکھاؤ۔ پس میں پھر جماعت کے نوجوانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنی شاندار قربانیوں کے ذریعہ اس امر کو ثابت کر دیں گے کہ ہماری جماعت دین کو دنیا پر مقدم رکھتی ہے اور جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ تقویٰ اس جماعت کے دلوں میں سے نکل گیا۔ تقویٰ کا نمونہ اگر اس وقت روئے زمین پر کوئی جماعت دکھا رہی ہے تو وہ صرف ہماری ہی جماعت ہے وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ لَا رَآدَّلِفَضْلِہٖ اِلَّاھُوَ یُعِزُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیُذِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَبِیَدِہِ الْخَیْرُ۔''

(الفضل ۸؍دسمبر ۱۹۳۸ء)

---

[۱] پیغام صلح ۳۰؍نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۸